© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشارات

اب سامنے ہے ماہِ جہاد!

حج جیسی عظیم عبادت کا مہینہ تو وحی سے مقرر کیا گیا اور وحی کے تحت ہی قرآن و حدیث میں اس کے پانچ دنوں کے لیے آداب، شعائر اور مناسک متعین کر دیئے گئے۔

اب حج جیسی عظیم عبادت سے گزر کر ہم مسلمانانِ عالم ایک ایسے مہینے میں داخل ہونے والے ہیں جس کے لیے بروئے وحی تو کوئی خاص مقاصد و احکام متعین نہیں ہیں کہ اس مہینے کی یا اس کے ایامِ عاشورہ کی یہ حیثیت ہے اور اس کے لیے یہ اور یہ آداب و شعائر ہیں۔ ایام عاشورہ کے نفل روزے البتہ واقعہ کربلا سے پہلے سے رائج چلے آرہے تھے۔ اس مہینہ کو اہمیت انسانی تاریخ کے ایک بڑے واقعہ اور انسانی کردار کے اعلیٰ اور اسفل دو نمونوں کے تقابل سے ملی ہے۔

کتنے ہی اصحاب کے نزدیک یہ ماہِ ماتم ہے، مگر میں سوچ سوچ کر اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ ماہِ جہاد ہے۔ حج کی عبادت جس کے مراحل بہ حیثیت مجموعی جہاد آموز ہیں، اس کے فوراً بعد ہماری تاریخ کا ہمارے سامنے اسلاف میں سے ایک روشن ستارے اور اس کے رفقا کے انقلابی کردار کو نمایاں کر دینا اور اس کے بالمقابل تاریکیٔ فکر و عمل کے ایک پیکر شہنشاہیت کے ساتھ تشدد کیش دربار یوں اور فوج کی جبریت کا منظر دکھانا ایک ایسے نقطۂ فکر و احساس پر لا کھڑا کرتا ہے جہاں ایک طرف دنیا اور اس کی لذتیں ہیں جن کے حصول کے لیے صرف اپنے دل کی روشنی کو گل کرنا، اپنے ضمیر کو پتھر بنانا اور اپنے چہرے پر ذلت کی کیچڑ کا لیپ کرنا پڑتا ہے۔ دوسری طرف ایمان ہے اور اخلاق کی بلندیاں ہیں، کردار کی تابانیاں ہیں، جذبۂ جہاد کی سرشاریاں اور ایثار و فدائیت کی سرمستیاں ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی ہے، جس کا ایک مظہر جنت کی دائمی زندگی بھی ہے، مگر اس طرف جانا ہو تو اپنے ہی لہو کے [illegible] میں ڈوب کر جانا پڑتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اللہ تعالیٰ نے زندگی کے یہ دو ہی اُصولی راستے بتائے ہیں: ایک دنیا پرستی اور جبر کیشی کا راستہ، دوسرا خدا پرستی، دعوتِ حق، جہاد، صبر اور عزیمت کا راستہ۔ وہ انسانی پستی کا اظہار ہے اور یہ انسانی عظمت و سربلندی کا۔

اوّل الذکر راستے پر چلنے والے عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے ہوئے بھی بے جان متحرک لاشوں سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ مؤخر الذکر راستے کے راہی مرنے کے بعد بھی زندہ ہو جاتے ہیں۔ اور ان کا مقصد اور پیغام تاریخ کے رگ و پے میں سرایت کر جاتا ہے۔ اب یہ سوچنے کی بات ہے کہ مقامِ ماتم کدھر ہے اور مقامِ فخر کدھر؟ ہار کس کی ہے اور رجبیت کس کی؟

امام حسینؓ نے تو ایک درسِ جہاد ہمارے لیے کربلا کی ریت کے ذرّوں پر اپنے خون سے لکھا تھا، آج ضرورت اس درس کو پڑھنے، سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی ہے۔

یہ بیان کہ وہ مکہ سے نکلے تو وہ جہاد کے ارادے سے نہیں نکلے تھے اگر جہاد کے لیے نکلتے تو اور صد ہا ساتھیوں کو ساتھ لیتے، اُلٹا جو ساتھ چلے تھے، ان کو بھی واپس چلے جانے کی تلقین تادمِ آخر کرتے رہے۔ نیز امام کی طرف سے تین شرطیں پیش کی گئیں جن کو نامنظور کر کے دشمن قوت نے جنگی صورتِ حال اور انتہائی بہیمیت کی فضا پیدا کر دی۔ اس میں اگر جہاد کے معانی کو قتال کے معنی سے وسیع تر کر دیا جائے تو امام حسینؓ کا ملوکیت کی راہ پر چلنے والی یزیدی حکومت کے خلاف انکارِ بیعت کرنے سے لے کر، اس کی معاشرت و ثقافت پر تنقید کرنے تک، اور ترکِ قیامِ مکہ سے قربانیٔ کربلا تک، امام کی ساری کی ساری سرگرمیاں جہاد کی تھیں۔

امام کے سامنے حکومتِ اسلامی کے جمہوری طریقِ خلافت کو بدل دیا گیا تھا، مسلمانوں کے بیت المال کو دھڑلے سے لُٹایا جا رہا تھا، رقص و سرود کی سرگرمیوں میں دربار کی خصوصی سرپرستی سے اضافہ ہو رہا تھا، امارت اور عہدوں کے لیے معیارِ تقویٰ کی قرآنی شرط ٹوٹ چکی تھی، عوام کی دینداری کے باوجود طبقۂ خواص نے لادینیت کے لیے راستے کھول دیئے تھے، قانونِ شریعت کو مقامِ اوّل سے اُٹھا کر کہیں ساتویں درجے میں پھینک دیا گیا تھا۔ یہ خوفناک تبدیلی جس کا نام یزید کے نام پر ہر دور میں یزیدیت ہونا چاہیے اس کے خلاف امام حسینؓ کی مجاہدانہ دعوت و تحریک کا منشا یہ تھا کہ حکمران طاقت میں تبدیلی نہ بھی آ سکے تو کم از کم عام مسلمانوں اور ان کے سربراہوں کے جذبوں میں ایک نیا اُبھار پیدا ہو۔

© rasailojaraid.com